

خطبہ (۳۱)

جب جگ جمل شروع ہونے سے پہلے حضرت نے ابن عباس کو زیر کے پاس اس مقصد سے بھیجا کہ وہ انہیں اطاعت کی طرف پلانا میں تو اس موقع پر ان سے فرمایا:

طلخہ سے ملاقات نہ کرنا۔ اگر تم اس سے ملے تو تم اس کو ایک ایسا سرکش بیل پاؤ گے جس کے سینگ کانوں کی طرف مڑے ہوئے ہوں، وہ منہ زور سواری پر سوار ہوتا ہے اور پھر کھتا یہ ہے کہ یہ رام کی ہوئی سواری ہے، بلکہ تم زبیر سے ملتا۔ اس لئے کہ وہ زم طبیعت ہے اور اس سے یہ کہنا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے کہ تم حجاز میں تو جیسے مجھ سے جان پچان رکھتے تھے اور یہاں عراق میں آکر بالکل اجنی بن گئے۔ آخر اس تبدیلی کا کیا سبب ہے؟

علامہ رضی فرماتے ہیں کہ: اس کلام کا آخری جملہ «فَمَا عَدَّا مِمَّا بَدَّا» جس کا مطلب یہ ہے کہ «اس تبدیلی کا کیا سبب ہوا»، سب سے پہلے آپؐ ہی کی زبان سے منا گیا ہے۔

--☆☆--

خطبہ (۳۲)

اے لوگو! ہم ایک ایسے کچھ رفتار زمانہ اور ناشکر گزار دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس میں نیکو کار کو خطہ کار سمجھا جاتا ہے اور ظالم اپنی سرکشی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جن چیزوں کو ہم جانتے ہیں ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور جن چیزوں کو نہیں جانتے انہیں دریافت نہیں کرتے اور جب تک مصیبت انہیں جاتی ہم خطرہ محسوس نہیں کرتے۔ (اس زمانے کے) لوگ چار طرح کے ہیں:

کچھ وہ ہیں جنہیں مفسدہ اگلیزی سے مانع صرف ان کے نفس کا بے وقت ہونا، ان کی دھار کا کندہ ہونا اور انکے پاس مال کا کم ہونا ہے۔

(۳۳) وَمَنْ كَلَمَ لَهُ عَلَيْهِ الْمَلَامُ

لَا بْنُ الْعَبَّاسَ لَمَّا أَرْسَلَهُ إِلَى الرُّزْبَيْرِ
لِيَسْتَهْفِيَنَّهُ إِلَى طَاعَتِهِ قَبْلَ حَرْبِ
الْجَمَلِ:

لَا تَلْقَيْنَ طَلْحَةً، فَإِنَّكَ إِنْ تَلْقَهُ
تَجِدُهُ كَالثُّوْرِ عَاقِصًا قَرْنَةً، يَوْكَبَ
الصَّعْبَ وَ يَقُولُ: هُوَ الدَّلْوُلُ، وَ لِكِنِ الْقَ
الْرُّبْيَرِ، فَإِنَّهُ أَلْيَنْ عَرِيْكَةً، فَقُلْنَ لَهُ:
يَقُولُ لَكَ أَبْنُ خَالِكَ: عَرْفَتِنِي
بِالْحِجَازِ وَ أَنْكَرْتِنِي بِالْعِرَاقِ، فَمَا عَدَّا
مِمَّا بَدَّا.

أَقُولُ: وَ هُوَ عَلَيْسِلَةُ أَوْلُ مَنْ
سُمِعَتْ مِنْهُ هذِهِ الْكِلْمَةُ، أَعْنِي: «فَمَا
عَدَّا مِمَّا بَدَّا»۔

-----☆☆-----

(۳۴) وَمَنْ حُكْلَبَ لَهُ عَلَيْهِ الْمَلَامُ

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا قَدْ أَصْبَحْنَا فِي دُهْرٍ
عَنْوَدِ، وَ زَمِنِ كَنْوَدِ، يُعَدُّ فِيهِ الْمُحْسِنُ
مُسِيْدَةً، وَ يَرْدَادُ الظَّالِمُ فِيهِ عُنْوَنًا،
لَا نَتَنْتَفَعُ بِهَا عَلَيْنَا، وَ لَا نَسْئَلُ عَمَّا
جَهَلْنَا، وَ لَا نَتَخَوَّفُ قَارِعَةَ حَتْلٍ تَحْلَّ بِنَا.
فَالنَّاسُ عَلَى أَرْبَعَةِ أَصْنَافٍ:

مِنْهُمْ مَنْ لَا يَبْنَعُهُ الْفَسَادُ إِلَّا مَهَانَةُ
نَفْسِهِ، وَ كَلَالَةُ حَدِّهِ وَ نَضِيْغُ وَ فِرِّهِ،

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تواریں سونتے ہوئے علانیہ شرپھیا رہے ہیں اور انہوں نے اپنے سوار اور پیادے جمع کر کر کھے ہیں۔ صرف کچھ مال بٹورنے، یا کسی دست کی قیادت کرنے، یا منبر پر بلند ہونے کیلئے انہوں نے اپنے نفسوں کو وقف کر دیا ہے اور دین کو تباہ و بر باد کر دالا ہے۔ کتنا ہی بُرا سودا ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت اور اللہ کے یہاں کی نعمتوں کا بدل قرار دے لو۔

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو آخرت والے کاموں سے دنیا طلبی کرتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں سے بھی آخرت کا بنا نامقصود رکھیں۔ یہ اپنے اوپر بڑا سکون و وقار طاری رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں اور دامنوں کو اوپر کی طرف سمیٹتے رہتے ہیں اور اپنے نفسوں کو اس طرح سنوار لیتے ہیں کہ لوگ انہیں امین سمجھ لیں۔ یہ لوگ اللہ کی پرده پوشی سے فائدہ اٹھا کر اس کا گناہ کرتے ہیں۔

اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں ان کے نفسوں کی کمزوری اور سازو سامان کی نافرائی ملک گیری کیلئے اٹھنے نہیں دیتی۔ ان حالات نے انہیں ترقی و بلندی حاصل کرنے سے درمانہ و عاجز کر دیا ہے۔ اس لئے قناعت کے نام سے انہوں نے اپنے آپ کو آراستہ کر رکھا ہے اور زاہدوں کے لباس سے اپنے کو سچ لیا ہے، حالانکہ انہیں ان چیزوں سے کسی وقت کبھی کوئی لگا و نہیں رہا۔

اسکے بعد تھوڑے سے وہ لوگ رہ گئے جن کی آنکھیں آخرت کی یاد اور حشر کے خوف سے بھکی ہوئی ہیں اور ان سے آنسو روای رہتے ہیں۔ ان میں کچھ تو وہ ہیں جو دنیا والوں سے الگ تھلگ تھائی میں پڑے ہیں اور کچھ خوف و ہراس کے عالم میں ذلتیں سہم رہے ہیں اور بعض نے اس طرح چپ سادھی ہے کہ گویا انکے منہ باندھ دیئے گئے ہیں، کچھ خلوص سے دعا نہیں مانگ رہے ہیں، کچھ غم زدہ و در در سیدہ ہیں جنہیں

وَ مِنْهُمُ الْمُضْلَلُ لِسَيْفِهِ، وَ الْمُعْلَنُ
بِشَّرِهِ، وَ الْمُجْلِبُ بِخَيْلِهِ وَ رَجْلِهِ،
قُدْ أَشْرَطَ نَفْسَهُ وَ أَوْبَقَ دِينَهُ لِحُظَامٍ
يَنْتَهِهَا أَوْ مَقْتَبٍ يَقُودُهَا، أَوْ مَنْبِرٍ يَفْرَعُهَا وَ
لَبِسْسَ الْمُتَجَرُ أَنْ تَرَى الدُّنْيَا لِنَفْسِكَ
ثَنَّاً، وَ مِنَّا لَكَ عِنْدَ اللَّهِ عِوْضًا! .

وَ مِنْهُمُ مَنْ يَطْلُبُ الدُّنْيَا بِعَيْنِ
الْآخِرَةِ، وَ لَا يَطْلُبُ الْآخِرَةَ بِعَيْنِ الدُّنْيَا،
قُدْ طَامَنَ مِنْ شَخْصِهِ، وَ قَارَبَ مِنْ خَطْوَهِ،
وَ شَمَرَ مِنْ ثُوْبِهِ، وَ زَحْرَفَ مِنْ نَفْسِهِ
لِلْأَمَانَةِ، وَ اتَّخَذَ سِتُّرَ اللَّهِ ذَرِيعَةً إِلَى
الْمُخْصِيَةِ.

وَ مِنْهُمُ مَنْ أَقْعَدَهُ عَنْ كُلِّ
الْمُلْكِ ضُؤْلَهُ نَفْسِهِ وَ اُنْقِطَاعُ
سَبَبِهِ، فَقَصَرَ ثُمَّ الْحَالُ عَلَى حَالِهِ،
فَتَحَلَّ بِاسْمِ الْقَنَاعَةِ، وَ تَرَيْنَ بِلِبَاسِ
أَهْلِ الرَّهَادِةِ، وَ لَيْسَ مِنْ ذَلِكَ فِي
مَرَاحٍ وَ لَا مَغَدَّرِي.

وَ بَقِيَ رِجَالٌ غَضَّ أَبْصَارُهُمْ ذُكْرُ
الْمُرْجِعِ، وَ أَرَاقَ دُمُوعَهُمْ
خَوْفُ الْمَحْشَرِ، فَهُمْ بَيْنَ شَرِيدٍ
نَّاٰدِ، وَ خَائِفٍ مَقْبُوِعٍ، وَ سَاكِتٍ
مَكْعُومٍ، وَ دَاعٍ مُمْلِصٍ، وَ
ثَكْلَانَ مُؤْجَعٍ، قُدْ أَحْمَلَتُهُمْ

خوف نے گمنامی کے گوشہ میں بٹھا دیا ہے اور خستگی و درماندگی ان پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ ایک شور دریا میں ہیں (کہ باوجود پانی کی کثرت کے پھروہ پیاسے ہیں)۔ انکے منہ بند اور دل مجروح ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو اتنا سمجھا یا بجھایا کہ وہ اکتا گئے اور اتنا ان پر جبر کیا گیا کہ وہ بالکل دب گئے اور اتنے قتل کئے گئے کہ ان میں (نمایاں) کی ہو گئی۔

اس دنیا کو تمہاری نظر وہ میں کیکر کے چھپکوں اور ان کے ریزوں سے بھی زیادہ حقیر و پست ہونا چاہیے اور اپنے قبل کے لوگوں سے تم عبرت حاصل کرو۔ اس کے قبل کہ تمہارے حالات سے بعد والے عبرت حاصل کریں اور اس دنیا کی براہی محسوس کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کرو۔ اس لئے کہ اس نے آخر میں ایسوں سے قطع تعلق کر لیا جو تم سے زیادہ اس کے والہ و شیدا تھے۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ: بعض لوگوں نے اپنی علمی کی بنا پر اس خطبہ کو معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا کلام ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بحلا سونے کو مٹی سے کیا نسبت؟ اور شیریں پانی کو شور پانی سے کیا ربط؟۔ چنانچہ اس وادی میں راہ دھانے والے ماہر فن اور پر کھنے والے با بصیرت عمر و ابن بحر باخت نے اس کی خبر دی ہے، اور اپنی کتاب «البيان والتبيين» میں اس کا ذکر کیا ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنہوں نے اسے معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے، اس کے بعد کہا ہے کہ: یہ کلام علی علیہ السلام کے کلام سے ہو بہو ملت جلتا ہے اور اس میں جو لوگوں کی تقسیم اور ان کی ذات و پیشی اور خوف و ہراس کی حالت بیان کی ہے، یہ آپؐ ہی کے مسلک سے میل کھاتی ہے۔ ہم نے تو کسی حالت میں بھی معاویہ کو زاہدوں کے انداز اور عابدوں کے طریقہ پر کلام کرتے ہوئے نہیں پایا۔

--☆☆--

الْتَّقِيَّةُ وَ شَيْلَكُتُهُمُ الْذِلَّةُ،
فَهُمْ فِي بَحْرٍ أَجَاجٍ، أَفْوَاهُهُمْ ضَامِرَةٌ،
وَ قُلُوبُهُمْ قَرِحةٌ، وَ قَدْ وَعَظُوا
حَتَّىٰ مَلُوا وَ قُهُرُوا حَتَّىٰ ذَلُوا، وَ قُتِلُوا
حَتَّىٰ قَلُوا.

فَلَتَكُنِ الدُّنْيَا فِي أَعْيُنِكُمْ أَصْغَرَ
مِنْ حُثَالَةِ الْقَرْظِ وَ قُرَاضَةِ الْجَلَمِ وَ
الْتَّعْظُوا بِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَبْلَ أَنْ يَتَعَظَّ
بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَ ارْفَضُوهَا
ذَمِيَّةً، فَإِنَّهَا قَدْ رَفَضَتْ مَنْ كَانَ أَشَفَّ
بِهَا مِنْكُمْ.

أقوال: هذو الخطبة رُبما نسبها من لا علم له إلى معاويه، و هي من كلام أمير المؤمنين عليه السلام الذي لا يشك فيه و أين الذهب من الرعام؟ و الحدب من الأجاج؟ و قد ذل على ذلك الذليل الحريث، و نقدة الناقد البصيري عمرو و بن بحر الجاحظ، فاته ذكر هذه الخطبة في كتاب «البيان و التبيين»، و ذكر من نسبها إلى معاويه، ثم قال: هي بكلام على عليه السلام أشبه، و يمدهبه في تصنيف النايس و بالأخبار عمما هف عليه من القمر و الأذرال و من التقى و الحوق القيق، قال: و متى وجدنا معاويه في حال من الأحوال يسئل في كلامه مسلك الزهاد و مذاهب العباد؟!.

-----☆☆-----